قُلۡ اِنَّ الۡفَضۡلَ بِیَدِ اللّٰہِ ۚ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیۡمٌ (آل عمران 74)

روزنامہ
الفضل
لندن

مدیر ابو سعید

Online Edition

بدھ 08 جولائی 2020ء | 16 ذوالقعدہ 1441 ہجری قمری | جلد:2 | شمارہ:163

ارشاد باری تعالیٰ

اِنۡ تَجۡتَنِبُوۡا کَبَآئِرَ مَا تُنۡہَوۡنَ عَنۡہُ نُکَفِّرۡ عَنۡکُمۡ سَیِّاٰتِکُمۡ وَ نُدۡخِلۡکُمۡ مُّدۡخَلًا کَرِیۡمًا۔ (النساء 32)

اگر تم اُن بڑے گناہوں سے بچتے رہو جن سے تمہیں روکا گیا ہے تو ہم تُم سے تمہاری بدیاں دور کر دیں گے اور ہم تمہیں ایک بڑی عزّت کے مقام میں داخل کریں گے۔

فرمانِ رسول ﷺ

عَنْ أَبِي أُمَامَةَ، أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا الْإِيمَانُ؟ قَالَ: ’’إِذَا سَرَّتْكَ حَسَنَتُكَ، وَسَاءَتْكَ سَيِّئَتُكَ فَأَنْتَ مُؤْمِنٌ‘‘۔قَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، فَمَا الْإِثْمُ؟ قَالَ: ’’إِذَا حَاكَ فِي نَفْسِكَ شَيْءٌ فَدَعْهُ‘‘

(مسند احمد بن حنبل حدیث نمبر 22166)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ: ایمان کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جب تجھے تیری نیکی خوش کرے اور برائی ناگوار گزرے تو تو مومن ہے۔ اس نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! گناہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ’’جب کوئی چیز تیرے دل میں کھٹکنے لگے تو اسے گناہ سمجھ کر چھوڑ دے۔‘‘

فرمان خلیفہ وقت

وقف عارضی دین کی بہت بڑی خدمت ہے

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے جلسہ سالانہ برطانیہ 2003ء کے دوسرے روز کے خطاب میں فرمایا:-

’’افریقہ میں جو ہمارے ہسپتال ہیں، ان میں ڈاکٹروں کی بہت ضرورت ہے۔ یہ بھی میں تحریک کرنا چاہتا ہوں ڈاکٹر صاحبان کو کہ اپنے آپ کو وقف کے لئے پیش کریں۔ اور کم از کم تین سال تو ضرور ہو۔ اور اگر اس سے اوپر جائیں چھ سال یا نو سال، تو اور بھی بہتر ہے۔

اسی طرح فضل عمر ہسپتال ربوہ کے لئے بھی ڈاکٹرز کی ضرورت ہے۔ تو ڈاکٹر صاحبان کو آج اس موقع سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے میں عارضی وقف کی تحریک کرتا ہوں۔

اپنے آپ کو خدمت خلق کے اس کام میں جو جماعت احمدیہ سرانجام دے رہی ہے، پیش کریں۔ اور یہ ایک ایسی خدمت ہے جس کے ساتھ دنیا تو آپ کما ہی لیں گے۔

دین کی بہت بڑی خدمت ہوگی۔ اور اس کا اجر اللہ تعالیٰ آپ کی نسلوں تک کو دیتا چلا جائے گا۔ انشاء اللہ۔‘‘

(الفضل انٹرنیشنل 12 تا 18 ستمبر 2003ء صفحہ 3)

حضرت سلطان القلمؑ کے رشحات قلم

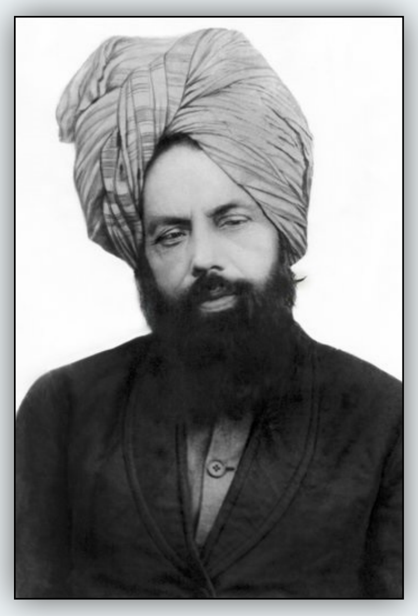

گناہ کیا چیز ہے اللہ تعالیٰ کی خلاف مرضی کرنا اور ان ہدایتوں کو جو اس نے اپنے پیغمبروں خصوصاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت دی ہیں توڑنا اور دلیری سے ان ہدایتوں کی مخالفت کرنا یہ گناہ ہے۔ جبکہ ایک بندہ کو خدا تعالیٰ کی ہدایتوں کا علم دیا جاوے اور اس کو سمجھا دیا جاوے پھر اگر وہ ان ہدایتوں کو توڑتا اور شوخی اور شرارت سے گناہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بہت ناراض ہوتا ہے۔ اور اس ناراضگی کا یہی نتیجہ نہیں ہوتا کہ وہ مرنے کے بعد دوزخ میں پڑے گا بلکہ اسی دنیا میں بھی اس کو طرح طرح کے عذاب آتے اور ذلت اٹھانی پڑتی ہے۔

دنیاوی حکام کا بھی یہی حال ہے کہ وہ ایک قانون مشتہر کر دیتے ہیں اور پھر اگر کوئی ان کے احکام کو توڑتا اور خلاف ورزی کرتا ہے تو پکڑا جاتا اور سزا پاتا ہے۔ لیکن دنیوی حکام کے عذاب سے اور ان کے قوانین و احکام کی خلاف ورزی کی سزا سے آدمی کسی دوسری عملداری میں بھاگ جانے سے بچ بھی سکتا ہے اور اس طرح پیچھا چھڑا سکتا ہے۔ مثلاً اگر انگریزی عملداری میں کوئی خلاف ورزی کی ہے تو وہ فرانس یا کابل کی عملداری میں بھاگ جانے سے بچ سکتا ہے لیکن خدا تعالیٰ کے احکام و ہدایات کی خلاف ورزی کر کے انسان کہاں بھاگ سکتا ہے؟ کیونکہ یہ زمین و آسمان جو نظر آتا ہے یہ تو اسی کا ہے اور کوئی اور زمین و آسمان کسی اور کا کہیں نہیں ہے جہاں تم کو پناہ مل جاوے۔ اس واسطے یہ بہت ضروری امر ہے کہ انسان ہمیشہ خدا تعالیٰ سے ڈرتا رہے اور اس کی ہدایتوں کے توڑنے یا گناہ کرنے پر دلیر نہ ہو کیونکہ گناہ بہت بری شئے ہے۔ اور جب انسان اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا اور گناہ پر دلیری کرتا ہے تو پھر عادت اللہ اس طرح پر جاری ہے کہ اس جرأت و دلیری پر خدا تعالیٰ کا غضب آتا ہے اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

(ملفوظات جلد سوم۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۶۰۷)

اس شمارہ میں

- ساری رات (منظوم)
- اداریہ: اپنا سامان مختصر رکھیے
- حوادث طبعی یا عذاب الٰہی
- مغربی معاشرہ میں اسلامی اقدار کا احیاء

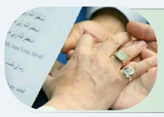

دربارِ خلافت

ستائیسویں جلسہ سالانہ کینیڈا 2003ء کے موقع پر افتتاحی پیغام

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:

پھر اپنی جماعت کو نصیحت کرتے ہوئے حضرت اقدس علیہ السلام فرماتے ہیں:-

''میں حکم دیتا ہوں کہ جو میری فوج میں داخل ہیں وہ ان خیالات کے مقام سے پیچھے ہٹ جائیں دلوں کو پاک کریں اپنی انسانی رحم کو ترقی دیں اور درمندوں کے ہمدرد بنیں۔ زمین پر صلح پھیلا دیں''

(گورنمنٹ انگریزی اور جہاد صفحہ ۵۱)

پس اے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی پیاری جماعت اور آپ کے درخت وجود کی سرسبز شاخو!! آپ نے اپنے پیارے آقا کی اطاعت میں ہر شر اور ہر فتنہ کی بات سے دور رہنا ہے۔ آپ سے کوئی ایسی بات سرزد نہیں ہونی چاہیے جو (دین حق) کی عزت کو داغ دار بنا دے۔ اپنے اندر ایک تبدیلی پیدا کریں آپ نے اپنے نیک اخلاق اور پاک نمونے سے دنیا کے دل (دین حق) کے لئے فتح کرنے ہیں۔

اس لئے اپنے تمام سفلی کینوں اور حسدوں کو ترک کر دیں خدا کی صفات کا رنگ اپنے اوپر چڑھائیں۔ آپ خدا کی آخری جماعت ہیں اس لئے وہ عمل نیک دکھلائیں جو اپنی کمال میں انتہائی درجہ پر ہوں۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام مزید فرماتے ہیں۔

''اے عزیزو! تم نے وہ وقت پایا ہے جس کی بشارت تمام نبیوں نے دی ہے اور اس شخص کو یعنی مسیح موعودؑ کو تم نے دیکھ لیا ہے جس کے دیکھنے کے لئے بہت سے پیغمبروں نے بھی خواہش کی تھی اس لئے اب اپنے ایمانوں کو خوب مضبوط کرو اور اپنی راہیں درست کرو۔ اپنے دلوں کو پاک کرو اور اپنے مولیٰ کو راضی کرو۔......

اپنی اخلاقی حالتوں کو بہت صاف کرو کینہ اور بغض اور نخوت سے پاک ہو جاؤ اور اخلاقی معجزات دنیا کو دکھلاؤ۔...... اپنی اخلاقی قوتوں کا حسن اور جمال دکھلاؤ۔ چاہیے کہ تم میں خدا کی مخلوق کیلئے عام ہمدردی ہو اور کوئی چھل اور دھوکا تمہاری طبیعت میں نہ ہو تم اسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مظہر ہو۔ سو چاہیے دن رات خدا کی حمد و ثناء تمہارا کام ہو اور خادمانہ حالت جو حامد ہونے کے لئے لازم ہے اپنے اندر پیدا کرو۔ (اربعین ۴ صفحہ ۴۲۴ تا صفحہ ۶۲۴)

(اخبار نیو کینیڈا جلد 16 نمبر 12 مورخہ 18 جولائی 2003ء)

آج کی دعا

یَا اَحَبَّ مِنْ کُلِّ مَحْبُوْبٍ اِغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ
وَ اَدْخِلْنِیْ فِیْ عِبَادِکَ الْمُخْلَصِیْنَ

(مکتوبات احمد جلد دوم مکتوب بنام منشی رستم علی صاحب صفحہ 539 ضیاء الاسلام پریس ربوہ)

ترجمہ: اے سب پیاروں سے بڑھ کر پیارے! مجھے میرے گناہ بخش دے اور مجھے اپنے مخلص بندوں میں داخل کرلے۔

یہ حضرت مسیح موعودؑ کی بہت پیاری، محبت الٰہی وبخشش کے حصول کی دعا ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ نے اپنے ایک رفیق خاص کو اس دعا کی تلقین کرتے ہوئے تحریر فرمایا کہ
''چاہیے کہ سجدہ میں اور دن رات کئی دفعہ یہ دعا پڑھیں''۔

(مرسلہ: قدسیہ محمود سردار)

ساری رات

''ان کو شکوہ ہے کہ ہجر میں کیوں تڑپایا ساری رات
جن کی خاطر رات لُٹا دی چین نہ پایا ساری رات''
(یہ شعر حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کا ہے)

....

اُس سے شکوہ کون کرے کہ کیوں تڑپائے ساری رات
جو پیتم خود ہجر کے دُکھ سے چین نہ پائے ساری رات
جگ والو! کیا چاہت کا یہ رُوپ بھی تم نے دیکھا ہے
پریمی سُکھ سے سوئیں پی کو نیند نہ آئے ساری رات
مُجھ مورکھ کی اکھیئن میں تو پانی کی اک بُوند نہیں
من موہن نے میری خاطر، نیر بہائے ساری رات
نر بھاگی جو ہیں وہ سب تو لمبی تانے سوتے ہیں
بھاگوں والا رو رو ان کے بھاگ جگائے ساری رات
سورج کس کے پریم میں جلتا مَنوا لے کر گھومے ہے
کس کی کھوج میں چاند گگن کے چکّر کھائے ساری رات
لاج کی ماری سوچ رہی ہوں کیسے اُس کی اور تکوں
ساجن جی کی سیوا کی نہ ناز اُٹھائے ساری رات
روز ارادے باندھے، سوچا، رات تو اس کے نام کریں
بات یہ دن بھر یاد رہے پر یاد نہ آئے ساری رات
گھر ویران پڑے ہوں تو آسیب بسیرا کرتے ہیں
دل کی بستی پر منڈلائے دکھ کے سائے ساری رات
آدھی رات کی زاری اچھی جیون بھر کے رونے سے
بے کل مَن اب آدھی رات کے قرض چکائے ساری رات
ذہن ہے بوجھل، تن دُکھتا ہے، مَن بھی جلتا انگارہ
ساری رات ہی سوئے پھر بھی سو نہ پائے ساری رات
ایک ذرا سی جان نے میری کیا کیا جھنجھٹ پالے ہیں
دن بھر کے سب جھگڑے سوچوں میں نپٹائے ساری رات
یوں بھی ہو کہ بِپتا جو بھی بیتے مَن پہ بوجھ نہ ہو
اور کبھی بے بات کے میرا جی گھبرائے ساری رات
بُھولی باتیں، بِسرے قصے، سُندر مکھڑے، پیارے لوگ
یادوں کی بارات نے کیا کیا رنگ جمائے ساری رات
آس نراس کے سنگھم پر یہ جیون کب تک بیتے گا
دن کو خود ہی توڑے جو سپنے دکھلائے ساری رات
نظریں چھالا چھالا ہوگئیں، جلتی دھوپ میں تکنے سے
ان پیالوں میں آشاؤں کے دیپ جلائے ساری رات
بن مانگے جو دان کرے کیا مانگے سے نہ دیوے گا؟
بیٹھ رہو اُس در پر جھولی کو پھیلائے ساری رات
گیت کوئی کے سُن کے سر تو دُھنتے ہو پر سوچا بھی؟
اس نے کتنی پیڑ سہی، کیا کشٹ اُٹھائے ساری رات

(صاحبزادی امتہ القدوس)

اداریہ

اپنا سامان مختصر رکھیے

خاکسار گزشتہ کچھ عرصہ سے دنیا میں مادی اور روحانی نظام میں مطابقت پر کالم لکھ رہا ہے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے دنیا میں مادی نظام جاری فرمایا اور پھر اس سے ملتا جلتا روحانی نظام بھی جاری کیا۔

آج اسی کے تسلسل میں ایک ایسے اہمیت کے حامل مضمون پر قلم اٹھا رہا ہوں جو ہم میں سے ہر انسان پر کسی نہ کسی رنگ میں لاگو ہوتا ہے اور وہ ہے انسان کا مختلف جہت کی طرف اپنے دنیوی و دینی کام کے لئے سفر کرنا۔ اس کے بارہ میں قرآن کریم اور احادیث میں مسلسل رہنمائی ملتی ہے۔ اس کے مقابل انسان کی اپنی زندگی بھی سفر کی مانند ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک جگہ فرمایا ہے کہ انسان کی زندگی Train میں سفر کرنے والے مسافروں جیسی ہے جو اپنے اپنے اسٹیشن پر اُتر جاتے ہیں۔ ہر انسان کی زندگی کا بھی اپنا اپنا اسٹیشن مقرر ہے اور مقررہ اسٹیشن آنے پر وہ سواری (انسان) اُتر جائے گی۔ اسی لئے کسی نے کہا ہے کہ ”زندگی بھی ایک سفر کی طرح ہے“ اور سفرِ آخرت اور رختِ سفر باندھنا (مرنے کی تیاری کرنا) کے محاورے بھی اس مضمون پر اطلاق پاتے ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دنیوی اسفار کی اقسام بیان کرتے ہوئے فرمایا:

”یہ بات ظاہر ہے کہ تمام مسلمانوں کو مختلف اغراض کیلئے سفر کرنے پڑتے ہیں کبھی سفر طلب علم ہی کیلئے ہوتا ہے اور کبھی سفر ایک رشتہ دار یا بھائی یا بہن یا بیوی کی ملاقات کیلئے یا مثلاً عورتوں کا سفر اپنے والدین کے ملنے کے لئے یا والدین کا اپنی لڑکیوں کی ملاقات کے لئے اور کبھی مرد اپنی شادی کے لئے اور کبھی تلاش معاش کے لئے اور کبھی پیغام رسانی کے طور پر اور کبھی زیارت صالحین کے لئے سفر کرتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت عمر نے حضرت اویس قرنی کے ملنے کے لئے سفر کیا تھا اور کبھی سفر جہاد کے لئے بھی ہوتا ہے خواہ وہ جہاد تلوار سے ہو اور خواہ بطور مباحثہ کے اور کبھی سفر بہ نیت مباہلہ ہوتا ہے جیسا کہ آنحضرت ﷺ سے ثابت ہے اور کبھی سفر اپنے مرشد کے ملنے کے لئے جیسا کہ ہمیشہ اولیاء کبار جن میں سے حضرت شیخ عبد القادر اور حضرت بایزید بسطامی اور حضرت معین الدین چشتی اور حضرت مجدد الف ثانی بھی ہیں اکثر اسی غرض سے بھی سفر کرتے رہے جن کے سفرنامے اکثر ان کے ہاتھ کے لکھے ہوئے اب تک پائے جاتے ہیں۔ اور کبھی سفر فتویٰ پوچھنے کے لئے بھی ہوتا ہے جیسا کہ احادیث صحیحہ سے اس کا جواز بلکہ بعض صورتوں میں وجوب ثابت ہوتا ہے اور امام بخاری کے سفر طلب علم حدیث کے لئے مشہور ہیں شاید میاں رحیم بخش کو خبر نہیں ہوگی اور کبھی سفر عجائبات دنیا دیکھنے کے لئے بھی ہوتا ہے جس کی طرف آیت کریمہ قُلْ سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ اشارہ فرما رہی ہے اور کبھی سفر صادقین کی صحبت میں رہنے کی غرض سے جس کی طرف آیت کریمہ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَ کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ ہدایت فرماتی ہے اور کبھی سفر عیادت کے لئے بلکہ اتباع جنازہ کے لئے بھی ہوتا ہے اور کبھی بیمار یا بیمار دار علاج کرانے کی غرض سے سفر کرتا ہے اور کبھی کسی مقدمہ عدالت یا تجارت وغیرہ کے لئے بھی سفر کیا جاتا ہے اور یہ تمام قسم سفر کی قرآن کریم اور احادیث نبویہ کی رو سے جائز ہیں بلکہ زیارت صالحین اور ملاقات اخوان اور طلب علم کے سفر کی نسبت احادیث صحیحہ میں بہت کچھ حث و ترغیب پائی جاتی ہے اور اگر اس وقت وہ تمام حدیثیں لکھی جائیں تو ایک کتاب بنتی ہے۔ ایسے فتویٰ لکھانے والے اور لکھنے والے یہ خیال نہیں کرتے کہ ان کو بھی تو اکثر اس قسم کے سفر پیش آجاتے ہیں۔ پس اگر بجز تین مسجدوں کے اور تمام سفر کرنے حرام ہیں تو چاہئے کہ یہ لوگ اپنے تمام رشتے ناطے اور عزیز و اقارب چھوڑ کر بیٹھ جائیں اور کبھی ان کی ملاقات یا ان کی غم خواری یا ان کی بیمار پرسی کے لئے بھی سفر نہ کریں۔ میں خیال نہیں کرتا کہ بجز ایسے آدمی کے جس کو تعصب اور جہالت نے اندھا کر دیا ہو وہ ان تمام سفروں کے جواز میں متامل ہو سکے صحیح بخاری کا صفحہ 16 کھول کر دیکھو کہ سفر طلب علم کے لئے کس قدر بشارت دی گئی ہے اور وہ یہ ہے کہ مَنْ سَلَكَ طَرِيْقًا يَطْلُبُ بِهِ عِلْمًا سَهَّلَ اللّٰهُ لَهٗ طَرِيْقَ الْجَنَّةِ یعنے جو شخص طلب علم کے لئے سفر کرے اور کسی راہ پر چلے تو خدا تعالیٰ بہشت کی راہ اس پر آسان کر دیتا ہے۔“

(آئینہ کمالات اسلام، روحانی خزائن جلد 5 صفحہ 606-607)

فرمایا: ”ملاقات نہایت ضروری ہے میں چاہتا ہوں کہ جس طرح ہو سکے 27 دسمبر 1892ء کے جلسہ میں ضرور تشریف لاویں۔ انشاء اللہ القدیر آپ کیلئے بہت مفید ہوگا۔ اور جو للہ سفر کیا جاتا ہے وہ عنداللہ ایک قسم عبادت کے ہوتا ہے۔“

(آئینہ کمالات اسلام، روحانی خزائن جلد 5 صفحہ 357)

ہم جو سفر دنیا میں اختیار کرتے ہیں اس میں ہم کوشش کرکے اپنے ساز و سامان کو مختصر رکھتے ہیں تا سفر آسانی سے کٹ جائے۔ خواہ یہ سفر پیدل ہو سائیکل یا موٹر بائیک پر ہو۔ اپنی گاڑی پر ہو۔ پبلک ٹرانسپورٹ یا ٹرین پر ہو اور یا ہوائی جہاز کا ہو۔ ہم اپنے آپ کو اور اپنے ساز و سامان و توشہ کو ہلکا پھلکا رکھ کر سفر پر جاتے ہیں۔ ہوائی جہاز کے لئے بکنگ کراتے وقت جو ٹکٹ دستیاب ہوتی ہے اس پر تو وزن کا بھی تعین کر دیا جاتا ہے اور اس مقررہ وزن سے اگر آپ زائد سامان لے کر جائیں گے تو آپ کو بطور Panalty زائد رقم ادا کرنا ہوتی ہے یا وہ سامان اپنے سے الگ کرنا ہوگا۔ اس زائد سامان کو Excess Luggage کہتے ہیں جس کو ساتھ لے کر آپ کو Fly کرنے کی اجازت نہیں ہوتی۔

روزمرہ سفر کرنے والے جیسے کاروباری حضرات وغیرہ تو اپنا رختِ سفر ہمیشہ تیار رکھتے ہیں اور اسباب باندھے رکھتے ہیں جو بہت مختصر ہوتا ہے۔ یہی مضمون انسانی زندگی کے سفر پر لاگو ہوتا ہے جسے ڈاکٹر نگہت افتخار نے اپنی ایک نظم میں یوں بیان کیا ہے:

جانے کس وقت کوچ کرنا ہو
اپنا سامان مختصر رکھیے

دنیوی سفر میں ساز و سامان مختصر رکھنے کا ذکر مذکورہ بالا سطور میں گزر چکا ہے۔ اس مضمون کو اگر زندگی کے سفر پر Apply کریں تو قرآن و حدیث میں بیان تمام بُرائیاں، اخلاق سیئہ جیسے جھوٹ، غیبت، چغلخوری، تجسس، عیب جوئی، بدنظری، خیانت، بد دیانتی، تشبہ بالغیر، توہم پرستی زائد سامان زندگی یعنی Excess Luggage ہیں۔ اصل سرمایہ حیات تو نیکیاں اور وہ اعمال ہیں جو آنحضور ﷺ بجالائے اور بجالانے کی تلقین فرماتے رہے کیونکہ یہی ہے جو انسان کے ساتھ جائے گا۔ اس ناطے ہمیں زائد سامان حیات جو ہمارے گلے کا طوق بننے والا ہے اسے اُتار پھینک کر ہلکا پھلکا ہو کر رخت سفر جاری رکھنا چاہئے۔

آیئے مزید دیکھتے ہیں کہ دنیوی سفر کے آداب، ہدایات اور نصائح کو ہم اپنی زندگی کے سفر پر کیسے لاگو کر سکتے ہیں۔

1۔ سفر پر جانے سے قبل دُعا کی جاتی ہے اور دوران سفر بھی دُعا کرنے کی تلقین ملتی ہے بلکہ آنحضور ﷺ نے تین بندوں کی دُعاؤں کو قبولیت کی خوشخبری سنائی ہے۔ ان میں ایک مسافر کی دعا ہے۔ آپ سواری پر بسم اللہ کہہ کر سوار ہوتے۔ کوئی بلندی آتی تو تکبیر یعنی اللہ اکبر کہتے۔ قرآن کریم نے سفر کے لیے دو دعائیں بھی سکھلائی ہیں۔ بِسْمِ اللّٰہِ مَجْرٖھَا وَ مُرْسٰھَا اِنَّ رَبِّیْ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (سورۃ ھود:42) سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا ھٰذَا وَ مَا کُنَّا لَہٗ مُقْرِنِیْنَ۔ وَ اِنَّآ اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ (سورۃ الزخرف:14-15)

حضرت عمرؓ نے ایک دفعہ آنحضور ﷺ سے عمرہ پر جانے کی اجازت چاہی۔ آپ نے اجازت دیتے ہوئے فرمایا۔ پیارے بھائی! اپنی دُعاؤں میں ہمیں نہ بھولنا (ابوداؤد) ان تمام ہدایات کی تعمیل ایک مسلمان پر اپنی ساری زندگی کے سفر میں لازم ہے۔ صبح و شام دعائیں پڑھنے کی تلقین ملتی ہے۔ اپنے بھائیوں کو دعاؤں میں یاد رکھیں۔ بسم اللہ پڑھنے کی تلقین بار بار ملتی ہے۔

2۔ سفر میں کثرت سے استغفار کرنے کی تلقین ہے۔ (ابوداؤد) یہی تلقین زندگی کے سفر میں ملتی ہے۔

3۔ سفر میں زاد راہ لیا جاتا ہے۔ زندگی کے سفر کا زادِ راہ تقویٰ ہے۔ فرمایا: تَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَیْرَ الزَّادِ التَّقْوٰی (سورۃ البقرہ:198)

ایک شخص نے آنحضور ﷺ سے زادِ راہ عطا کئے جانے کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا: زَوَّدَكَ اللّٰهُ التَّقْوٰی یعنی اللہ تقویٰ کو تیرا زاد راہ کرے۔ (ترمذی)

4۔ سفر میں ساتھیوں کا خیال رکھا جاتا ہے۔ آنحضور ﷺ سفر کے دوران قافلہ کے پیچھے ہو جایا کرتے تھے اور کمزور سواری کو ہانکتے بلکہ بعض کمزور صحابہ کو اپنی سواری پر اپنے پیچھے بٹھالیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ آپ نے کمزور صحابہ کو اپنی سواری پر سوار کروا دیا اور خود سواری کے ساتھ پیدل سفر کیا۔ (ابوداؤد)

بعینہٖ زندگی کے سفر میں اپنے ماحول میں ایک دوسرے کا خیال رکھنا چاہئے اور کمزوروں کو ساتھ لے کر چلیں۔

5۔ سفر میں نماز ادا کرنی ضروری ہے۔ زندگی کے سفر میں بھی نمازوں کو شرائط کے ساتھ ادا کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

6۔ آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ سفر عذاب کا ٹکڑا ہے۔ زندگی کے سفر میں بھی عذاب سے بچے رہنے کی تلقین قرآن و حدیث میں بیان ہے۔

7۔ سفر میں شر سے بچنے کی دعا ان الفاظ میں ملتی ہے۔ اَعُوْذُ بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ کہ میں اللہ کے کامل اور مکمل کلمات کی پناہ میں آتا ہوں ہر اس چیز کے شر سے جو اس نے پیدا کیا۔

زندگی کے سفر میں بھی اس دعا کی کثرت سے ضرورت رہتی ہے۔

8۔ آنحضور ﷺ جب سفر پر کسی کو بھجواتے تو اس دعا کے ساتھ رخصت فرماتے: اَسْتَوْدِعُ اللّٰہَ دِیْنَكَ، وَاَمَانَتَكَ، وَخَوَاتِیْمَ عَمَلِكَ (ترمذی) کہ میں تیرے دین، امانت اور تیرے عملوں کے خاتمہ کو اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔ انسان کو بھی اپنی زندگی کے سفر کے اختتام کے لئے خاتمہ بالخیر کی دعا کثرت سے کرنی چاہئے۔ جماعت کے معروف و مشہور شاعر جناب عبدالکریم قدسی نے اس مضمون کو یوں بیان کیا ہے۔

گھر میں رہ کر سفر میں رہتا ہوں
یہ سفر مدتوں سے جاری ہے

حوادث طبعی یا عذاب الٰہی

(حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ)

(قسط دوم)

عذاب الٰہی کی پہلی امتیازی علامت

عذاب الٰہی کو عام حوادث سے ممتاز کرنے والی علامات میں سے ایک اہم علامت یہ ہے کہ عذاب کے واقع ہونے سے قبل اس کی خبر دے دی جاتی ہے اور صرف خبر ہی نہیں بسا اوقات اس کی نوعیت بھی تفصیل سے بیان کر دی جاتی ہے۔ اس کی مثال حضرت نوحؑ کے زمانہ میں بڑی واضح شکل میں ملتی ہے۔ آپؑ نے پہلے سے قوم کو متنبہ کر دیا کہ تمہارے اعمال کی خرابی کے نتیجہ میں نیز میرے مسلسل انکار کی وجہ سے تم ہلاک کر دیئے جاؤ گے۔ اس تنبیہ کے ساتھ ہی آپ نے ذریعہ ہلاکت سے بھی ان کو آگاہ کر دیا اور بتایا کہ تمہاری ہلاکت کا ذریعہ پانی کو بنایا جائے گا جو ایک ایسے بے نظیر سیلاب کی صورت میں آئے گا جس سے اس علاقہ کی کوئی چیز خواہ انسان ہو یا حیوان، بچ نہیں سکے گی۔ یہ خبر دینے کے ساتھ ہی حضرت نوحؑ اس کشتی کی تعمیر میں مصروف ہو گئے جو اللہ تعالیٰ کے اذن کے مطابق اس عذاب سے مومنوں کے بچانے کے لئے بنائی جا رہی تھی۔ منکرین پاس سے گزرتے، ہنستے اور تمسخر اڑاتے۔ حضرت نوحؑ اور آپ کے ساتھیوں کو طرح طرح کے طعنوں کا نشانہ بناتے لیکن کوئی بھی یہ تسلیم کرنے پر آمادہ نہ ہوا کہ آسمان اس کثرت کے ساتھ پانی برسا سکتا ہے کہ دنیا کی کوئی پناہ گاہ اس کی زد سے انسان کو بچا نہ سکے گی۔ لیکن آخر وہ دن آ گیا جب کہ قرآن کریم کے بیان کے مطابق

فَفَتَحْنَآ اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ (سورۃ القمر، آیت 12)

آسمان نے اپنے تمام دروازے کھول دیئے اور ایسا موسلا دھار مینہ برسنا شروع ہوا جس کی کوئی مثال اس سے پہلے دیکھی نہ گئی تھی۔ حضرت نوحؑ اور آپ پر ایمان لانے والے کشتی میں سوار ہوئے اور اپنے ساتھ معین مدت کے لئے زاد سفر بھی لے لیا۔ کچھ جانور اور کچھ پرندے جو پہلے سے اس غرض کے لئے جمع کئے گئے تھے وہ بھی اس کشتی میں سوار کر لئے گئے۔ لیکن اس وقت تک بھی دیکھنے والے دیکھتے رہے اور تمسخر اڑاتے رہے۔ یہاں تک کہ وہ کشتی پانی کی بلند ہوتی ہوئی سطح کے ساتھ بلند تر ہوتی چلی گئی اور مکانات اونچی جگہیں اور ٹیلے رفتہ رفتہ پانی میں ڈوبنے لگے۔ لیکن اس وقت بھی ایمان نہ لانے والوں کو یقین نہ آیا کہ کشتی کے سواروں کے سوا اس علاقہ کے باقی تمام لوگ غرق ہو جائیں گے۔ خود حضرت نوحؑ کے ایک جسمانی بیٹے نے بھی اپنی بدقسمتی سے یہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور اس غیر معمولی بارش اور سیلاب کو آخر وقت تک ایک طبعی حادثہ سمجھتا رہا۔ اسے یہ گمان تو شاید گزرتا ہو کہ یہ کشتی کے سوار غرق ہو جائیں گے لیکن یہ وہم اس کے دل میں نہ آیا کہ سیلاب پہاڑوں کی چوٹیوں سے بھی اوپر نکل جائے گا۔ چنانچہ قرآن کریم کے بیان کے مطابق ہمیں اہل دنیا کی جو آخری آواز سنائی دیتی ہے وہ حضرت نوحؑ کے اس بیٹے کی یہ آواز ہے:

سَاٰوِیْۤ اِلٰی جَبَلٍ یَّعْصِمُنِیْ مِنَ الْمَآءِ

(سورۃ ہود، آیت 44)

کہ میں پہاڑ کی پناہ لے لوں گا اور یہ پہاڑ مجھے بچا لے گا۔

لیکن ایک بلند و بالا موج حضرت نوحؑ کی کشتی اور پہاڑ پر پناہ لینے والے اس وجود کے درمیان حائل ہو گئی۔ پانی بلند سے بلند تر ہوتا رہا اور پہاڑوں کی چوٹیاں روپوش ہونے لگیں۔ تیرنے والی اس کشتی کے سوا سطح آب پر کوئی اور چیز نظر نہ آتی تھی۔

یہ واقعہ جو تفاصیل کے کسی قدر اختلاف کے ساتھ دنیا کے تین بڑے مذاہب یعنی اسلام، یہودیت اور عیسائیت کو مسلم ہے۔ کم از کم ان اہل مذاہب کے لئے تو ضرور ایک حجت ہے اور یہ وہ تسلیم کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ معمول کے مطابق طبعی قوانین کے تابع برسنے والی بارش بھی کبھی عذاب الٰہی کا ایک رنگ اختیار کر سکتی ہے۔

عذاب الٰہی کی مختلف اقسام کا بیان چونکہ پہلے گزر چکا ہے اس لئے اس کی تکرار کی ضرورت نہیں۔ یہاں صرف عذاب الٰہی کی امتیازی علامات کا ذکر ہو رہا ہے تو پہلی علامت قرآن کریم سے یہ ثابت ہوتی ہے کہ وقت سے پہلے عذاب الٰہی کی خبر دے دی جاتی ہے اور بسا اوقات اس کی نوعیت کی بھی تعیین کر دی جاتی ہے۔

دوسری امتیازی علامت

دوسری امتیازی علامت ہمیں یہ معلوم ہوتی ہے کہ عذاب الٰہی کے واقع ہونے کو ایک ایسی شرط کے ساتھ باندھ دیا جاتا ہے جس کا کسی پہلو سے بھی ان عوامل کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوتا جس کے نتیجہ میں کوئی ارضی و سماوی حادثہ رونما ہو سکے۔

حضرت صالحؑ کے عہد کی مثال ہمارے پیش نظر ہے۔ وہ خوفناک دھماکہ جسے آتش فشاں پہاڑ کا پھٹنا کہہ لیں یا غیر معمولی قوت کی کڑک گرج قرار دے لیں یا اچانک زمین کے پھٹنے کے نتیجہ میں ایک ہیبت ناک آواز تصور کر لیں۔ غرضیکہ اس ’’صیحۂ واحدۃ‘‘ کی جو شکل بھی چاہیں تجویز کر لیں۔ یہ امر تو بہر حال انسان کو تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اس ’’صیحہ‘‘ کا اونٹنی کی کونچیں کاٹنے سے کوئی تعلق اور واسطہ نہیں یعنی اس کے نتیجے میں یہ واقعہ رونما نہیں ہو سکتا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جو طبعی ذریعہ بھی حضرت صالحؑ کی قوم کو ہلاکت کے لئے تجویز ہوا وہ کوئی اتفاقی حادثہ نہیں تھا بلکہ ایک غیر معمولی تقدیر تھی۔ جب تک قوم حضرت صالحؑ کی اونٹنی کا پانی بند کرنے اور اس کی ایذاء رسانی سے باز رہی اذن الٰہی کی نکیل نے اس ہولناک حادثہ کو رونما ہونے سے سختی سے روکے رکھا لیکن جونہی اونٹنی کا پانی بند کیا گیا اور کونچیں کاٹی گئیں تو قوانین طبعی کو اپنی جولانیاں دکھانے کی اجازت دے دی گئی۔

تیسری امتیازی علامت

تیسری علامت جو حادثات طبعی کو عذاب الٰہی سے ایک غیر معمولی امتیاز بخشتی ہے وہ یہ ہے کہ عذاب الٰہی کو اس بات کی اجازت نہیں دی جاتی کہ وہ کافروں کے ساتھ مومنوں کو بھی ہلاک کر دے بلکہ بلا استثناء ہر ایسے حادثے کے وقت مومن بچا لئے جاتے ہیں اور منکرین ہلاک کر دیئے جاتے ہیں۔ اگرچہ قرآن کریم میں بعض ایسے قومی عذابوں کا ذکر ملتا ہے جن کے نتیجہ میں منکرین کے ساتھ مومن بھی کسی قدر تکلیف اٹھاتے ہیں لیکن یہ عذاب ایک استثنائی حیثیت رکھتے ہیں اور ان کا مقصد مختلف ہوتا ہے۔ ہم عذابوں کی جن اقسام پر بحث کر رہے ہیں یہ وہ عذاب ہیں جو مومن اور غیر مومن میں تفریق کے لئے آتے ہیں اور جن کے متعلق وقت کے انبیاءؑ واضح الفاظ میں یہ خبر دے دیا کرتے ہیں کہ یہ خدا کے پاک بندوں کو کوئی ضرر نہیں پہنچا سکیں گے۔ یہ ایک ایسا امتیاز ہے جس کا کوئی طبعی جواز نظر نہیں آتا۔ آخر کیوں ایک معمول کے مطابق ہونے والا حادثہ قوم کی بھاری اکثریت کو تو ہلاک کر دے لیکن چند لوگوں سے استثنائی سلوک کرتے ہوئے بغیر گزند پہنچائے پاس سے گزر جائے۔ صرف یہی نہیں بلکہ اس سے عجیب تر بات یہ ہے کہ قوم کے طاقتور اور دنیاوی سرو سامان سے متمتع غالب قوتوں والے حصہ کو تو ہلاک کر دے جس کے پاس حوادث سے بچنے کے زیادہ سے زیادہ ظاہری سامان موجود ہوتے ہیں لیکن چند کمزور اور ضعیف اور بے سرو سامان لوگوں کو گزند پہنچانے کی اسے کوئی قدرت حاصل نہ ہو۔

چوتھی امتیازی علامت

چوتھی علامت یہ ہوا کرتی ہے کہ عذاب الٰہی کے بعد وہ نظریہ حیات یا تو کلیۃً مٹا دیا جاتا ہے یا مغلوب کر دیا جاتا ہے جو عذاب الٰہی سے پہلے طاقتور اور غالب ہوتا ہے اور وہ نظریہ حیات جو عذاب الٰہی سے پہلے نہایت کمزور اور مغلوب حالت میں پایا جاتا ہے یہاں تک کہ اس کے زندہ رہنے کے کوئی ظاہری سامان نظر نہیں آتے وہ عذاب الٰہی کے بعد نہایت قوی اور غالب صورت میں تیزی کے ساتھ نشو نما پانے لگتا ہے۔ حتیٰ کہ نظریات کے میدان میں کبھی تو ایسے تنہا عظیم فاتح کے طور پر دکھائی دیتا ہے جس کا مدمقابل کلیۃً خاک میں مل چکا ہو اور کبھی ایسے فتح مند جرنیل کی شکل میں نظر آتا ہے جس کا حریف نہایت کمزوری اور ذلت کی حالت میں اس کے غلبہ کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو چکا ہو۔ جو اہل مذاہب مذہبی تاریخ کو تسلیم کرتے ہیں جو آسمانی صحیفوں میں ان کے لئے محفوظ کی گئی ان کے لئے تو مذکورہ امور ایک مسلّمہ حقیقت کی حیثیت رکھتے ہیں۔ لیکن وہ لوگ جو کسی مذہب سے وابستہ نہیں یا وابستہ ہونے کے باوجود دہریت اور لادینیت کا شکار ہیں وہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ مذکورہ بالا چاروں علامتیں تاریخ مذاہب سے حاصل کی گئی ہیں اور ہمیں اس تاریخ کا کوئی اعتبار نہیں۔ اس لئے ہمارے نزدیک ان کی حیثیت دلائل کی نہیں محض دعاوی کی ہے لیکن ادنیٰ سے تدبر سے یہ معلوم ہو جائے گا کہ مذکورہ بالا دعاوی اپنے ساتھ ایسے دلائل اور شواہد بھی رکھتے ہیں جن کی کوئی لامذہب بھی تردید نہیں کر سکتا۔

میں اپنے مدعا کی مزید وضاحت کے لئے ذیل میں چند امور قارئین کی خدمت میں پیش کرتا ہوں:

اول: دنیا کا کوئی لامذہب یا بے دین انسان اس تاریخی حقیقت کا انکار نہیں کر سکتا کہ جب بھی کسی نبی یا مصلح نے خدا تعالیٰ کی طرف سے اذن پا کر دنیا کو ہدایت کی طرف بلایا تو اس وقت کوئی دنیاوی ذریعہ اس کے پاس ایسا نہ تھا جس سے وہ اپنے مخالفین پر غالب آ سکتا۔ اس کے برعکس اس کے مخالفین کو ہر پہلو سے اس پر مکمل دنیاوی فوقیت حاصل تھی۔ کیا بلحاظ تعداد، کیا بلحاظ مال و دولت، کیا بلحاظ سیاسی قوت اور کیا بلحاظ اسباب جنگ، ہر پہلو سے وہ اس دعویدار کے مقابل پر اتنے طاقتور اور قوی تھے کہ ادنیٰ سی دنیاوی کوشش کے نتیجہ میں اسے اور اس کے چند ماننے والوں کو ہلاک کر

دینے کی پوری طاقت رکھتے تھے۔ ایسے انبیاءؑ اور مصلحین کی کمزوری کا کچھ تصور اس حقیقت سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ دنیاوی تاریخ کسی نبی کے ظہور کے واقعہ کو اپنے زمانے میں ایک ایسا معمولی واقعہ سمجھتی ہے جیسے کسی وسیع جھیل میں سے ایک بچے کے ہاتھ میں پھینکی ہوئی کنکر سے کچھ کمزور لہریں پیدا ہوں۔ حضرت عیسیٰؑ کے زمانے میں حضرت عیسیٰؑ کو اور واقعہ صلیب کو جو اہمیت حاصل تھی۔ اس کا آج جو ہم تصور باندھے ہوئے ہیں۔ اس عہد کے انسان کا تصور اس سے بالکل مختلف تھا۔ ہم چونکہ نسلاً بعد نسل اس عظیم واقعہ کا ذکر سنتے آئے ہیں۔ اس لئے ہم خواہ مخواہ یہ خیال کرنے لگتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ کا دعویٰ اور بعد میں رونما ہونے والا واقعہ صلیب اس زمانے کے انسانوں کی نظر میں بھی کوئی بڑی اہمیت رکھتا تھا۔ ہمارا یہ گمان ہرگز حقیقت پر مبنی نہیں۔ عظیم سلطنت روما کے ایک گوشے میں رونما ہونے والے اس واقعہ نے اس زمانہ کے مؤرخین کی توجہ اس حد تک بھی اپنی طرف مبذول نہ کروائی کہ وہ اسے کوئی قابل ذکر بات سمجھ کر چند سطروں میں ہی اس کا ذکر محفوظ کر دیتے۔ چنانچہ رومن مؤرخین حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ایک سو سال کے بعد تک بھی یسوع نام کے کسی نبی کے ظاہر ہونے کا ذکر نہیں کرتے اور گویا واقعہ صلیب معمول کے مطابق ایک روزمرہ کی قانونی کارروائی سے زیادہ اور کوئی حیثیت نہ رکھتا تھا۔ اس قسم کی کارروائیاں قومی تاریخ کے صفحات میں محفوظ کرنے کے لائق شمار نہیں کی جاتیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کی تاریخی عظمت کا انحصار کلیۃً عیسائیت کے پھیلاؤ سے تھا۔ جوں جوں عیسائی قوم ترقی کرتی چلی گئی بعد میں آنے والے مؤرخین اس واقعہ کو پہلے سے بڑھ کر اہمیت دیتے چلے گئے۔ مگر عہد مسیحؑ میں یقیناً سلطنت روما کے مقابل پر مسیحؑ کی ظاہری حیثیت قابل ذکر نہ تھی کہ ان کا مرنا یا جینا سلطنت روما کے اہلکاروں کی نگاہ میں کوئی قابل اعتناء بات سمجھی جاتی۔

اسی طرح اس کائنات کا سب سے بڑا واقعہ یعنی آنحضور ﷺ کا دعویٰ فتح مکہ سے قبل تک اس زمانہ کے انسان کو ایک ایسا عام اور معمولی واقعہ نظر آتا تھا کہ جب تک مسلمانوں کے بعد کی فتوحات نے مشرق و مغرب میں زلازل برپا نہیں کئے اس وقت تک رومن اور فارس کی سلطنتوں نے ظہور محمد مصطفی ﷺ کو کوئی خاص قابل اعتناء بات نہ سمجھا۔ کسریٰ کی حکومت تو بہت جلد اسلام سے مغلوب ہو گئی۔ اس لئے ہم نہیں کہہ سکتے کہ ایرانی مؤرخین نے فتح مکہ سے قبل حضرت رسول اکرم ﷺ کا کوئی ذکر اپنی تاریخ کے صفحات میں محفوظ کیا یا نہیں۔ لیکن آنحضرت ﷺ کے عہد کے رومن مؤرخین کے متعلق ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ ان کے ہاں کائنات کے اس عظیم ترین واقعہ کا کوئی ذکر تک نہیں ملتا۔

ایران کی عظیم مشرقی سلطنت کے بارہ میں بھی ان روایات کی روشنی میں جو اسلامی تاریخ کے ذریعہ ہم تک پہنچی ہیں۔ یہ اندازہ لگانا کچھ مشکل نہیں کہ حضور اکرم ﷺ کی زندگی میں شہنشاہ ایران کے نزدیک یہ ایک بہت معمولی واقعہ تھا۔ اس دور کے خسرو کے متعلق یہ لکھا ہے کہ اس نے یمن کے گورنر کو یہ کہلا بھیجا تھا کہ سُنید کے مطابق کوئی اس قسم کا دعویدار عرب میں پیدا ہوا ہے اسے پکڑوا کر میرے دربار میں حاضر کرو۔ یمن کے گورنر کے نزدیک حضور اکرم ﷺ کی جو اہمیت تھی۔ اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس نے صرف دو کارندے اس غرض کے لئے مدینہ روانہ کئے کہ نعوذ باللہ سید کونین ﷺ کو پکڑ کر اس کے سامنے لائیں۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس وقت کی دنیا نے ظہور حضرت محمد مصطفی ﷺ کو کیا اہمیت دی ہو گی۔

پس دنیا کا کوئی لامذہب بھی اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا کہ ہر نبی اپنے دعویٰ کے وقت کمزور ہی نہیں بلکہ اہل دنیا کو اتنا کمزور نظر آتا ہے کہ اس کا ہونا یا نہ ہونا گویا ان کے نزدیک برابر ہوتا ہے۔ آدم سے لیکر حضرت محمد مصطفی ﷺ تک بلا استثناء ہمیشہ یہی کہانی دوہرائی گئی۔

دوم: اس کے بعد ہر لامذہب اور منکر دین کو اس حقیقت سے بھی انکار کی گنجائش نہیں کہ وہ عظیم سلطنتیں اور عظیم قومیں جو اپنے وقت کے نبی کو پرِ پشہ کی حیثیت بھی نہیں دیتی تھیں۔ ''حوادث زمانہ'' (اہل مذہب کے نزدیک عذاب الٰہی) کا شکار ہو گئیں۔ اور ان کی صف اس دنیا سے یکسر لپیٹ دی گئی اور ان کے مذاہب مٹ گئے اور ان کے نظریات فنا ہو گئے اور کچھ بھی ان کا باقی نہ رہا سوائے اس ذکر کے جو تاریخ کے صفحات میں پھیلا ہوا ہے لیکن وہ جن کا کچھ ذکر ان لوگوں کی تاریخ کے صفحات میں نہیں ملتا وہ ایک ناقابل فہم معمہ بن کر ان سلطنتوں اور قوموں پر غالب آ گئے وہ باقی رہے اور اس شان سے باقی رہے کہ ان کے نظریات ہی آج غالب نظریات کے طور پر زندہ موجود ہیں ان کے مذاہب نے دنیا کے عظیم خطوں کو گھیر رکھا ہے یہاں تک کہ آج دنیا میں بسنے والے لوگوں کی غالب اکثریت وہ ہے جو کسی نہ کسی ایسے نبی، رشی یا اوتار کی طرف منسوب ہوتی ہے جو اپنے وقت کا کمزور ترین انسان تھا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر ان قوموں کے مٹنے کا باعث حوادث زمانہ تھے تو عقلاً ان کا اول شکار اس زمانے کے کمزور ترین انسان ہونے چاہئیں تھے نہ کہ انتہائی طاقتور اور حکمران قومیں ....؟ حوادث زمانہ کو یہ تمیز کہاں سے آئی کہ کمزور اور طاقتور میں ایسی تمیز کرے کہ کمزور کا معین و مددگار اور طاقتور کا جانی دشمن بن جائے؟

سوم: ایک تیسری حقیقت جو اسی تعلق میں نمایاں طور پر نظر آتی ہے اور کوئی لامذہب اور بے دین انسان اس کا بھی انکار نہیں کر سکتا کہ وہ یہ ہے کہ وہ بستیاں جو زلازل کا شکار ہوئیں اور مسلسل چلنے والی آندھیوں کے نتیجہ میں تہ بہ تہ خاک کے تودوں کے نیچے دب کر تباہ ہو گئیں۔ ان میں سے ایک بھی ایسی نہیں جو کسی نبی پر ایمان لانے والی جماعت پر مشتمل ہو بلکہ تمام بے دینوں اور منکروں کی بستیاں ہیں۔ جن کے آثار باقیہ آج بھی شرک و بدعت اور فسق و فجور کی داستانیں محفوظ رکھے ہوئے ہیں۔ قرآن کریم نے ان بستیوں کا بار بار ذکر فرمایا ہے اور انسان کی توجہ بار بار اس حقیقت کی طرف مبذول کراتا ہے کہ قدیم سے جاری و ساری عظیم شاہراہوں پر ان بستیوں کو تلاش کرو تو تمہیں خاک کے عظیم تودوں تلے دبی ہوئی نظر آئیں گی اور تم دیکھو گے کہ ان میں وہ قومیں مدفون ہیں جو اپنے وقت کے انبیاءؑ کو صفحہ ہستی سے مٹا دینے کا عزم لے کر اٹھی تھیں۔ ان کے عزائم نہایت خطرناک اور ان کی قوت ناقابل دفاع تھی۔ اس وقت جب کہ بظاہر انبیاءؑ اپنے غلبہ سے مایوس ہو گئے۔ تب اچانک اللہ تعالیٰ کی مدد ایک ایسے عذاب کی صورت میں آئی جو اچھے اور برے میں امتیاز کرنے والا تھا جسے خدا چاہتا تھا۔ اسے نجات بخشتا تھا لیکن مجرم اس کی پکڑ سے بچ نہ سکتے تھے قرآن کریم اس کیفیت کا ذکر فرماتے ہوئے بیان کرتا ہے:

حَتّٰۤی اِذَا اسۡتَیۡـَٔسَ الرُّسُلُ وَ ظَنُّوۡۤا اَنَّہُمۡ قَدۡ کُذِبُوۡا جَآءَہُمۡ نَصۡرُنَا ۙ فَنُجِّیَ مَنۡ نَّشَآءُ ؕ وَ لَا یُرَدُّ بَاۡسُنَا عَنِ الۡقَوۡمِ الۡمُجۡرِمِیۡنَ۔
(سورۃ یوسف، آیت 111)

اور جب (ایک طرف تو) رسول (ان کی جانب سے) ناامید ہو گئے۔ اور (دوسری طرف) ان (منکروں کا یہ) پختہ خیال ہو گیا کہ ان سے (وحی کے نام سے) جھوٹی باتیں کہی جا رہی ہیں تو (اس وقت) ان (رسولوں) کے پاس ہماری مدد آ گئی اور جنہیں ہم بچانا چاہتے تھے (انہیں) بچا لیا گیا اور مجرم لوگوں سے ہمارا عذاب (ہرگز) نہیں ہٹایا جاتا۔

یہ مدفون قومیں جن کے مدفن سے انسان لاعلمی اور غفلت کی حالت میں گزر جایا کرتا تھا۔ آج کے زمانے میں جب کہ زمین اپنے بوجھ اگل رہی ہے منظر عام پر ابھر رہی ہیں لیکن جس وقت کریم نے ان کا ذکر فرمایا تھا۔ اکثر انسان ان کے بارے میں لاعلمی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔

پانچویں امتیازی علامت

پانچویں علامت جو عذاب الٰہی کو حوادث زمانہ سے الگ کرتی ہے اس کا ذکر قرآن کریم کی حسب ذیل آیت میں ملتا ہے:۔

وَ مَا نُرِیۡہِمۡ مِّنۡ اٰیَۃٍ اِلَّا ہِیَ اَکۡبَرُ مِنۡ اُخۡتِہَا ۫ وَ اَخَذۡنٰہُمۡ بِالۡعَذَابِ لَعَلَّہُمۡ یَرۡجِعُوۡنَ۔ (سورۃ الزخرف، آیت 49)

ترجمہ: ہم ان کو جو نشان بھی دکھاتے تھے وہ اپنے نشان سے بڑا ہوتا تھا اور ہم نے ان کو عذاب میں مبتلا کر دیا تھا کہ وہ (اپنی بداعمالیوں سے) لوٹ جائیں۔ یعنی عذاب الٰہی میں ایک تدریج اور ترتیب پائی جاتی ہے اور آخری غلبہ تک عذابوں کا سلسلہ سخت سے سخت تر ہوتا چلا جاتا ہے۔

گویا عذاب الٰہی کے مختلف مظاہر میں خفیف سے اشد کی طرف حرکت نظر آتی ہے۔ اگر عذاب کی شدت کا گراف بنایا جائے تو معمولی اتار چڑھاؤ کے باوجود عذاب کا عمومی رخ شدید سے شدید تر کی طرف ہی نظر آئے گا۔ یہاں تک کہ اگر قوم پیغمبر وقت کے نظریات کو قبول نہ کرے اور اس کی ہلاکت مقدر ہو جائے تو عذاب کی آخری یورش سب سے شدید اور فیصلہ کن ہوتی ہے۔ حوادث زمانہ میں ایسی کوئی ترتیب نہیں پائی جاتی۔

چھٹی امتیازی علامت

عذاب الٰہی کی چھٹی امتیازی علامت یہ ہے کے گو حوادث زمان انسان کی قلبی کیفیت سے اثر انداز نہیں ہوتے اور وہ ان کیفیات سے بے نیاز اپنے دائرہ میں کارفرما رہتے ہیں لیکن عذاب الٰہی اس عہد کے انسانوں کی قلبی کیفیات سے ایک ایسا عجیب رشتہ رکھتا ہے اگر دلوں میں گزشتہ گناہوں پر ندامت اور پشیمانی پیدا ہو جائے اور طبیعتیں استغفار کی طرف مائل ہوں تو عذاب الٰہی ٹل جاتا ہے۔ قرآن کریم عذاب الٰہی کی اس امتیازی خصوصیت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے۔

وَ مَا کَانَ اللّٰہُ مُعَذِّبَہُمۡ وَ ہُمۡ یَسۡتَغۡفِرُوۡنَ۔
(سورۃ انفال، آیت 34)

اللہ تعالیٰ انہیں ایسی حالت میں عذاب نہیں دیتا کہ وہ استغفار کر رہے ہوں۔

گزشتہ انبیاء کی تاریخ میں حضرت یونسؑ کے عہد کا واقع اس نوع کی ایک نمایاں مثال ہے۔ کہ عذاب الٰہی کی خبر دیئے جانے کے باوجود جب قوم نے استغفار سے کام لیا تو یہ غیر متبدل سنت اللہ قوم اور عذاب الٰہی کے درمیان حائل ہو گئی۔

ساتویں امتیازی علامت

عذاب الٰہی کا ایک اور امتیاز یہ ہے کہ عذاب اس وقت تک انتظار کرتا ہے۔ جب تک نبی ہلاک ہونے والی بستی کو چھوڑ کر نہ چلا جائے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ آنحضرت ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے

وَ مَا کَانَ اللّٰہُ لِیُعَذِّبَہُمۡ وَ اَنۡتَ فِیۡہِمۡ (سورۃ انفال، آیت 34)

اللہ تعالیٰ انہیں ہرگز عذاب نہیں دے گا کہ تو ان کے اندر موجود ہو۔ ظاہر بات ہے کہ حوادث کسی کا انتظار نہیں کرتے۔ پس وہ حوادث جو کسی خاص وجہ یا نیک لوگوں کی خاطر رکے رہیں اور اس بات کا انتظار کرتے رہیں کہ وہ ہلاک ہونے والی بستی کو چھوڑیں تو پھر یہ سرگرم عمل ہوں۔ مذہبی اصطلاح میں ایسے حوادث کو عذاب الٰہی کہا جاتا ہے۔

اس جہت سے جب ہم اس سوال پر نظر ڈالتے ہیں کہ انبیاء اور ان کی قومیں کس طرح عذاب کے چنگل سے بچ گئیں تو اس کا ایک جواب یہ سامنے آتا ہے کہ یا تو وہ وقت سے پہلے خبردار ہونے کی بناء پر انبیاء اپنے ساتھیوں کو لے کر ہلاک ہونے والی جگہوں کو چھوڑ چکے تھے یا خود ان کی قوموں نے انہیں اپنے آبائی وطنوں سے جلاوطن کر دیا تھا۔ پس عذاب الٰہی اس وقت آیا جب وہ بستیوں میں موجود نہ تھے۔

یہاں ضمناً اس اعتراض کا ذکر بھی بے جا نہ ہوگا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام پر مخالفین کی طرف سے اعتراض کیا جاتا ہے کہ زلزلے کے وقت کیوں بستی کو چھوڑ کر باہر باغات میں خیمہ زن ہوگئے کم فہم معاندین بڑے تمسخر سے اس بات کا ذکر کرتے ہیں اور نہیں سوچتے کہ قرآن کریم کی پیش کردہ تعلیم کی رو سے سنت انبیاء یہی چلی آئی ہے کہ عذاب کی خبر کے بعد اس سے بچنے کے ظاہری اسباب ضرور اختیار کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ خود انہیں ہر قسم کی پیش بندی کا ارشاد فرماتا ہے یہ کبھی نہیں ہوا کہ عذاب الٰہی کی خبر سن کر انبیاء عین بیچ مقام عذاب کے ڈیرہ ڈال لیں۔

عذاب کی بعض قسمیں ایسی بھی ہوا کرتی ہیں جن سے بچنے کے لئے بظاہر کوئی ظاہری ذریعہ اختیار نہیں کیا جاتا لیکن اس کے باوجود وہ عذاب خدا تعالیٰ کے نیک بندوں کو ہلاک کرنے کی قدرت نہیں رکھتا۔ اس نوعیت کے عذابوں کے متعلق چونکہ انبیاءؑ کو پہلے سے مطلع کر دیا جاتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ جس حد تک انہیں احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کا ارشاد فرماتا ہے۔ اس سے بڑھ کر وہ کوئی تدبیر اختیار نہیں فرماتے پھر بھی وہ دشمن جو ہر طرح کی تدابیر اختیار کرنے پر قادر ہوتا ہے وہ تو عذاب کی زد سے بچ نہیں سکتا لیکن انبیاء اور ان کے ساتھی بعض نامعلوم محرکات کی بناء پر اس کی پکڑ سے محفوظ رہتے ہیں۔ اس کی مثال تاریخ انبیاء میں حضرت موسیٰؑ کے زمانے میں ملتی ہے جب کہ بنی اسرائیل کو صرف ایک احتیاطی تدبیر اختیار کرنے کا ارشاد ہوا۔ یعنی خمیر کھانے سے روک دیا گیا۔ اس کے سوا کوئی ایسی تدبیر اختیار نہیں کی گئی جس کو صحف سابقہ یا تاریخ میں ذکر ملتا ہو۔ فرعون کی قوم اس کے برعکس ہر قسم کی وبائی امراض کے مقابلہ کے لئے تمام معلوم ذرائع اختیار کرنے پر آزاد تھی لیکن جب بعض وبائی بیماریوں نے جن کا تعلق خون سے تھا ان کی قوم پر حملہ کیا تو حضرت موسیٰؑ کے ماننے والے انہیں لوگوں میں رہنے کے باوجود ان بیماریوں سے بچ گئے اور فرعون کی قوم عموماً ان کا شکار ہوگئی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں اس کی مثال طاعون کے عذاب کی شکل میں ملتی ہے جس کی تفصیل آئندہ آئے گی۔

(باقی آئندہ ان شاء اللہ)

خط و کتابت۔ پرانی یادیں

(عبدالباسط شاہد۔ یوکے)

ہمارے بچپن کی بعض ایسی باتیں جو اب آہستہ آہستہ ختم ہوتی جا رہی ہیں ان میں سے ایک خطوں کا باہم تبادلہ بھی تھا۔ رشتہ داروں اور قریبیوں میں ایک دوسرے کو اپنی خیریت کی اطلاع دینا اور ان کی خیریت معلوم کرنے کا عام طریق تھا اور اگر اس معاملہ میں کوئی سستی سے کام لیتا تو اس سے شکوہ بھی کیا جاتا تھا۔ خط و کتابت کے لئے عام ذریعہ پوسٹ کارڈ اور لفافہ ہوتا تھا۔ ہم نے تین پیسے کا کارڈ اور چھ پیسے کا لفافہ دیکھا ہوا ہے بلکہ اسے استعمال بھی کیا ہوا ہے۔ لفافے اور کارڈ کے ذکر کے ساتھ قلم دوات کا ذکر بھی لازمی ہے۔ کارڈ یا خط لکھنے کے لئے قلم اور دوات استعمال ہوتی تھی۔ بزرگوں کی تحریریں تو قلم اور دوات سے ہی لکھی ہوتی تھیں بلکہ بعض بزرگ جو تیزی سے اور زیادہ لکھتے تھے ان کے متعلق تو یہ بھی مشہور تھا کہ انہوں نے ایک سے زیادہ دوات (سیاہی کی شیشی یا برتن) رکھی ہوتی تھی۔ قلم آہستہ آہستہ ہولڈر کی شکل اختیار کر گئی یعنی قلم میں لوہے کا نِب استعمال ہونے لگا مگر پرانے بزرگ یہی کہتے رہے کہ لکھنے کا مزہ اور خوبصورتی قلم کے ساتھ ہی تھی۔ ہولڈر کی لکھائی میں وہ خوبصورتی اور بات کہاں۔ ہولڈر کے بعد فونٹین پی سیاہی کے لئے الگ دوات کی ضرورت نہ رہی بلکہ ہولڈر میں ہی سیاہی بھر لی جاتی تھی۔ اس پین نے بھی ترقی کی کئی منزلیں دیکھیں۔ شروع میں اس میں سیاہی کے لئے ایک ٹیوب ہوتی تھی جس میں سیاہی بھرنے کے لئے ایک لیور سا لگا ہوتا تھا۔ بعد میں ٹیوب کے بغیر پین بھی دستیاب ہو گئے۔ تاہم ابتدائی طور پر یہی مشہور تھا کہ ہولڈر سے لکھائی بہتر ہوتی ہے اور پین میں وہ بات نہیں بنتی۔ مجھے یاد ہے ہمارے ایک بزرگ محترم کرنل محمد رمضان صاحب کہا کرتے تھے کہ میں بال پوائنٹ استعمال ہی نہیں کرتا۔ اس سے لکھائی صاف نہیں ہوتی۔ اس بات سے ایک اور پرانی بات بھی یاد آ گئی۔ ہمارے محلہ میں ایک ضعیفہ رہتی تھیں وہ معمر اور نابینا تھیں۔ میں ان کے خط لکھا کرتا تھا اور اس مقصد کے لئے کاغذ، ہولڈر وغیرہ ساتھ لیکر ان کے ہاں جایا کرتا تھا۔ یہ زمانہ میری چھٹی، ساتویں کلاس کا ہوگا۔ میں ہمیشہ ہی یہ سوچتا ہوں کہ اس زمانہ میں میری تحریر کیسی ہوگی اور یہ بھی کہ میرے لکھے ہوئے خطوط مکتوب الیہ تک پہنچ بھی جاتے ہونگے تو وہ پڑھے بھی جا سکتے ہوں گے یا نہیں! وہ معمر خاتون میری اس بری بھلی خدمت کے لئے مجھے بہت دعائیں دیا کرتی تھیں۔ اس خاندان کے کئی افراد کے نام مجھے یاد ہیں۔ اس خاتون کا ایک پوتا جرمنی میں مجھے ملا بھی تھا تاہم میں عمداً ان کے نام نہیں لکھ رہا۔

پرانی یادوں کے سلسلے میں یہ لکھنا بھی بے محل اور غیر مناسب نہ ہوگا کہ بعد میں مجھے حضرت مولانا ابو العطاء صاحب اور حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب اور حضرت مولانا عبد المالک خان صاحب کے خطوط اور مضامین لکھنے کا بھی اتفاق ہوا۔ ان مواقع کو یہ خاکسار اپنی خوش قسمتی اور سعادت سمجھتا ہے اور ان بزرگوں سے بہت سی باتیں سیکھنے کو ملتی تھیں۔

ایک بات جس کا خط و کتابت سے تو بظاہر کوئی تعلق نہیں ہے لیکن میں نے ہمیشہ اس سے ن کا زمانہ آ گیا۔ ہولڈر کا قد چھوٹا ہو گیا اور فائدہ اٹھایا اور شاید کسی پڑھنے والے کے لئے مفید ہو یہاں تحریر کر رہا ہوں۔

استاد مکرم مولانا ابو العطاء صاحب نے یاد فرمایا اور کہنے لگے میرے پاس بہت سے خطوط اور سوالات جمع ہو گئے ہیں اگر آپ فلاں وقت آ جائیں تو میں جلدی جلدی ان کے جواب لکھوا سکوں گا۔ خاکسار وقت مقررہ پر حاضر ہو گیا۔ کئی خطوط کے جواب لکھے۔ حضرت مولانا صاحب کوئی کتاب دیکھ رہے تھے، سامنے ان کی شیروانی لٹک رہی تھی۔ اس طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمانے لگے کہ اس میں سے رومال پکڑا دیں۔ میں نے دائیں جیب یا بائیں جیب کا خیال کئے بغیر باہر سے دونوں جیبیں ٹٹول کر دیکھیں۔ حضرت مولانا صاحب نے مجھے ایسے کرتے ہوئے دیکھ لیا، فرمانے لگے:

''رومال بائیں جیب میں ہوتا ہے''

یہ ایک سرسری سی بات تھی لیکن میں نے ہمیشہ اس بات سے فائدہ اٹھایا کہ دائیں طرف کیا ہونا چاہئے اور بائیں طرف کیا!

خط و کتابت کا ذکر ہو رہا تھا خطوط صرف خیریت کی خبر ہی نہیں پہنچاتے تھے بلکہ اس زمانہ میں تمام ضروری باتیں بھی خطوں کے ذریعہ ہی ہوتی تھیں۔

چند تصویر بتاں چند حسینوں کے خطوط
بعد مرنے کے میرے گھر سے یہ ساماں نکلا

سے بھی خطوط کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے۔ کسی عزیز کا خط ملتا تو اسے تکیہ کے نیچے رکھا جاتا۔ بار بار پڑھا جاتا اور لطف لیا جاتا یا اس کے برعکس بھی ہوتا تھا۔ ہمارے ایک بزرگ کا یہ لطیفہ بھی بہت دُہرایا جاتا تھا کہ میں مرکز سے آنے والی ڈاک رات کے وقت نہیں کھولتا۔ رات آرام سے سو کر صبح ڈاک پڑھتا ہوں۔ خاکسار جب ملک سے باہر ہوتا تھا تو یہ اہتمام کرتا تھا کہ 'اماں جی' کو ہفتہ میں ایک خط ضرور لکھ دوں تا وہ میری خیریت سے با خبر رہیں اور میری سستی یا تاخیر کی وجہ سے پریشان نہ ہوں۔

خاکسار کو بخوبی یاد ہے کہ 'پردیس' میں رہنے والے نوجوانوں کو باقاعدہ خط لکھنے کی طرف توجہ دلایا کرتا تھا بلکہ ان سے یہ بھی پوچھا کرتا تھا کہ انہوں نے گھر خط لکھ دیا ہے یا کب لکھا تھا۔

اوپر پین کا ذکر ہو چکا ہے اس کے بعد تو بال پوائنٹ کا زمانہ آیا اور سیاہی پرانے زمانے کی بات ہو گئی اور اب تو تحریر میں ٹائپ رائٹر کا زمانہ بھی چلا گیا اور کمپیوٹنگ کی نت نئی شکلیں اور آسانیاں سامنے آ گئی ہیں جن سے سہولت تو بہر حال زیادہ ہو گئی ہے مگر خطوں کا اپنا ہی مزہ تھا۔

'غالب کے خطوط' کو بہت شہرت حاصل ہوئی اور کئی ادیبوں کے خطوط انکی ادبی خدمات میں نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ اور تو اور ''ایک عزیز کے نام خط'' حضرت چوہدری ظفر اللہ خان صاحبؓ کی ایک بہت اہم کتاب ہے۔ یعنی خط کتاب کی شکل اختیار کر گیا اور اس میں مذہب کی ضرورت و اہمیت کا مضمون بہت عمدہ پیرایہ میں بیان ہو گیا۔

''واذا الصحف نشرت'' کا یہ سلسلہ جاری ہے اور جاری رہے گا۔ کون جانے مستقبل میں کیا کیا ظاہر ہونے والا ہے۔

☆...☆...☆

مغربی معاشرہ میں اسلامی اقدار کا احیاء

(سید شمشاد احمد ناصر۔ امریکہ)

یورپ اور امریکہ کی بعض مشرکانہ رسوم

یورپ اور امریکہ میں رہنے والے احمدی حضرات خداتعالیٰ کے فضل سے حضرت خلیفۃ المسیح کی ہدایات کو سن کر ان پر عمل کرنے کی پوری کوشش کرتے ہیں سوائے اکاّ دکاّ افراد کے لیکن چونکہ یہاں کا سارا معاشرہ ہی عیسائیت اور غیر مسلموں کے طور و اطوار پر پھیلا ہوا ہے اس لئے یاددہانی کی خاطر بعض چیزیں اور باتیں جو اس معاشرہ کا جزو لاینفک ہیں پیش کر دیتا ہوں۔ اس معاشرہ کی دیکھا دیکھی اور ان کے زیر اثر ان بدرسومات اور غیر اسلامی باتوں کی لوگ پیروی کرنے لگ جاتے ہیں جن میں: برتھ ڈے منانا، ویلنٹائن ڈے منانا، کرسمس منانا، نیو ایئر نائٹ منانا، ہالووین، ایسٹر کے موقع پر انڈوں کی رسم اور سانٹا کی رسوم شامل ہیں۔

حضرت مصلح موعودؓ نے یکم دسمبر 1928ء کو قادیان میں جبکہ لجنۃ قادیان نے مولانا عبدالرحیم صاحب درد ایم اے مرحوم مبلغ انگلستان کے اعزاز میں چائے کی دعوت دی، کے موقع پر جو خطاب فرمایا اس میں ان سب مندرجہ بالا باتوں کا اصولی جواب آ گیا ہے۔ آپؓ نے فرمایا:

’’میرے نزدیک ہمیں زیادہ توجہ جس طرف دینی چاہئے وہ تعلیم ہے اور وہ بھی مذہبی تعلیم۔ یہی تعلیم ہماری اولاد کے ہوش و حواس قائم رکھ سکتی ہے میں تو نوجوانوں کی موجودہ رَو کو دیکھ کر ایسا بددِل ہوں کہ چاہتا ہوں یورپ کی ہر چیز کو بدل دیا جائے، ہمارے ملک کے لوگ اس طرح دیوانہ وار یورپ کی تقلید کر رہے ہیں کہ اسے دیکھ کر شرم و ندامت سے سر جھک جاتا ہے...... غرض یورپ کی تقلید میں لوگ بالکل اندھے ہو رہے ہیں، ہمیں نہ صرف اپنے آپ کو بلکہ دوسروں کو بھی بچانے کے لئے کوشش کرنی چاہئے کہ لوگوں کو محسوس کرائیں ہمارا تمدن ناقص اور کمزور نہیں، نقص یہ ہے کہ استعمال درست طور پر نہیں کیا گیا...... پس ضرورت ہے نقائص کی اصلاح کی۔ کسی بات کی اندھادھند تقلید نہ کی جائے۔ اسلام وہ ہے نہ جو شرقی ہے نہ غربی۔ اس لئے مسلمانوں کو نہ ایشیا کی نقل کرنی چاہئے نہ مغرب کی۔ اس لئے کسی کی اندھادھند تقلید نہ کرو نہ یہ کہ ایشیا میں چونکہ پردہ رائج ہے اس لئے جس طرح کا رائج ہے اسے جاری رکھنا چاہئے نہ یہ کہ یورپ چونکہ پردہ نہیں کرتا اس لئے ہمیں بھی نہیں کرنا چاہئے بلکہ افراط و تفریط سے بچ کر صحیح راستہ پر چلنا چاہئے۔‘‘

(الازھار لذوات الخمار صفحہ 213-214)

برتھ ڈے۔ یومِ پیدائش منانا

یورپ اور امریکہ میں برتھ ڈے منانا بہت اچھا سمجھا جاتا ہے اور اس کے لئے دعوتیں، کیک، پارٹیاں اور تحفے تحائف ایک معمولی بات سمجھی جاتی ہے۔ یہ برتھ ڈے منانا اس معاشرہ نے گویا کہ اپنے اوپر فرض کر رکھا ہے۔ ہمارے بچے بھی ان کے زیر اثر یہ سمجھتے ہیں کہ یہ بہت ہی اچھی بات ہے اور زندگی کا ایک ضروری حصہ ہے اگر برتھ ڈے نہ منائی گئی تو نہ جانے ہماری زندگی میں کیا کچھ کمی سمجھی جائے گی اور ہمارے ہمسائے، جاننے والے ہمیں کیا کہیں گے، غیر از جماعت افراد تو بہت زیادہ ایسے کرنے لگ گئے ہیں۔

ہم چونکہ مذہبی جماعت ہیں اس لئے ہم نے تو وہ کچھ کرنا ہے جو ہمارے پیارے آقا سیدنا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے کیا۔ اب دیکھنے والی بات یہ ہے کہ آپ نے 63 سال زندگی پائی۔ کیا ایک مرتبہ بھی آپ نے اپنی برتھ ڈے منائی۔ پھر آپؐ کے بعد آپ کے چاروں خلفاء نے اپنی برتھ ڈے نہیں منائی اور نہ ہی صحابہ کرامؓ میں سے کسی نے!

تو پھر ہمیں کیا جواز ہے کہ ہم اپنی برتھ ڈے منائیں؟

پھر اس زمانے میں جو امام مہدی علیہ السلام آئے ہیں اور آپؑ کے خلفائے کرام، ان میں سے بھی کسی نے اپنی برتھ ڈے نہیں منائی اور نہ ہی اس کی ضرورت ہے۔

آجکل اس سوال کا جواب کہ برتھ ڈے منانی چاہئے کہ نہیں حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے متعدد مرتبہ بچوں کی کلاس میں دے دیا ہے کہ جو دن آپ کی پیدائش کا ہو اس دن دو نفل پڑھ کر دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے اتنے سال خوشی سے اور برکت سے گزار دیئے ہیں اور آئندہ بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت اور برکت ہمارے شامل حال رہے۔

آپ نے یہ بھی نصیحت فرمائی کہ اس دن صدقہ بھی دے دیا جائے تاکہ اللہ تعالیٰ آئندہ آنے والی بلاؤں سے محفوظ رکھے۔ اور اگر گھر میں رہنے والے افراد مل کر کھانا کھالیں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ مگر اسے اس پیمانہ پر منانا کہ لوگوں کو بلایا جائے، باقاعدہ دعوت ہو، کیک کاٹے جائیں، تحفے تحائف کا سلسلہ ہو، یہ مناسب نہیں ہے۔

اسی طرح مغرب میں یا ترقی یافتہ کہلانے والے ممالک میں نئے سال کی رات ہاہو، شراب نوشی، ہلڑ بازی اور پٹاخے اور پھلجھڑیاں، جسے فائر ورکس کہتے ہیں، سے نئے سال کا آغاز کیا جاتا ہے۔ ہمیں اس سے بچنا ہے بلکہ اس رات کو عبادت میں گزارنا چاہئے اور صدقہ دینا اور اپنے نفس کا محاسبہ کرنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ساری دنیا میں جماعت احمدیہ کے افراد اس پر عمل پیرا ہوتے ہیں اس رات خصوصاً ہر جگہ تہجد باجماعت کا اہتمام کیا جاتا ہے اور نئے سال کی آمد پر دعائیں کی جاتی ہیں۔

کرسمس

ہر سال 25 دسمبر کو دنیائے عیسائیت میں یہ دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے طور پر سمجھا جاتا ہے اور منایا جاتا ہے لیکن عیسائیوں کے بعض فرقے ایسے بھی ہیں جو اسے نہیں مناتے۔ اسے نہ منانے کی کئی وجوہات ہیں۔ میں ایک دفعہ ایک چرچ میں تقریر کرنے گیا تو مجھے بھی ایک عیسائی نے یہی سوال کیا کہ کیا آپ کرسمس مناتے ہیں؟ میں نے پوچھا کہ آپ کے نزدیک کرسمس کیا ہے اور اس کو منانے کا کیا طریق ہے؟

اس نے جواب دیا کہ یہ دن حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کا دن ہے اور ہم خوشی مناتے ہیں یہ ہمارا تہوار ہے کہ دنیا کا نجات دہندہ اس دن پیدا ہوا ہے جس نے انسانیت کے گناہ اپنے اوپر لے کر صلیب پر اُن کے لئے جان دے دی۔

میں نے انہیں بتایا کہ نہیں ہم احمدیوں کا نہ ہی یہ عقیدہ ہے اور نہ ہی بائبل سے اس کا ثبوت ملتا ہے کہ 25 دسمبر کو آپ پیدا ہوئے۔ بلکہ اس کے برعکس تاریخ کا پتہ چلتا ہے۔ پھر بائبل سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ آپ گناہوں کا کفارہ نہیں ہوئے اور نہ ہی آپ نے صلیب پر جان دی۔ خاکسار نے اس وقت بائبل سے چند دلائل دیئے۔

دوسرے میں نے بتایا کہ نہ صرف بائبل بلکہ قرآن کریم سے بھی ثابت نہیں کہ یہ 25 دسمبر کا دن حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کا دن ہے اور یہ کہ وہ دنیا کے نجات دہندہ تھے اور نہ ہی یہ ثابت ہے کہ آپ صلیب پر مرے۔

تیسری بات میں نے یہ بتائی کہ کسی کا یوم پیدائش منانا اصل نہیں ہے۔ اصل یہ ہے کہ ان کی تعلیمات پر عمل کیا جائے۔ اگر تعلیمات پر عمل نہیں تو آپ ایک سال ہی میں 100 دفعہ برتھ ڈے منالیں اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔

پھر میں نے بتایا کہ آج کی عیسائی دنیا آپ کی تعلیمات پر عمل نہیں کر رہی مثلاً میں نے بتایا کہ حضرت عیسیٰ کی تعلیم ہے کہ اگر تمہارے دائیں گال پر کوئی تھپڑ مارے تو تم اپنا بایاں گال بھی اس کے آگے کر دو۔ کیا کہیں بھی عیسائی دنیا میں اس پر عمل ہو رہا ہے؟

پس اگر آپ دنیا میں امن چاہتے ہیں تو اس تعلیم پر عمل کریں۔

تو جس بات کی بنیاد ہی غلط ہے اس کو منانے کا کیا فائدہ۔ اسلام بتاتا ہے کہ ہمیں بے فائدہ کام نہیں کرنے چاہئیں۔ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ (المؤمنون:4) اور وہ جو لغو سے اعراض کرنے والے ہیں۔

ہالووین (Halloween) کی رسم

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے ایک خطبہ جمعہ فرمودہ 29۔ اکتوبر 2010ء کو بڑی تفصیل اور شرح و بسط کے ساتھ اس مشرکانہ اور غلط رسم کے بارے میں جماعت سمجھایا۔ آپ نے فرمایا:

ہمیشہ یاد رکھنا چاہئے کہ بعض بدعات جب رائج ہو جائیں تو اصل تعلیم سے دور لے جاتی ہیں۔...... اور یہ بدعات پھر بعض دفعہ، بعض دفعہ کیا اکثر دین کو بگاڑتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے مقابلہ پر کھڑا کر دیتی ہیں۔ (قبر پرستی اور مُردوں سے دعائیں مانگنے وغیرہ کا ذکر تھا)...... مسلمانوں میں راہ پا گئی ہیں اور جو غلط طریقے جو ہیں ان کی طرف نشاندہی کرتے ہوئے ایک جگہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ:

’’ہمارا طریق بعینہٖ وہی ہے جو آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام کا تھا۔ آج کل فقراء نے کئی بدعتیں نکال لی ہیں۔ یہ چلّے اور وِرد وظائف جو انہوں نے رائج کر لئے ہیں ہمیں ناپسند ہیں۔ اصل طریق اسلام قرآنِ مجید کو تدبر سے پڑھنا اور جو کچھ اس میں ہے اس پر عمل کرنا اور نماز توجہ کے ساتھ پڑھنا اور دعائیں توجہ اور انابتِ الی اللہ سے کرتے رہنا۔ بس نماز ہی ایسی چیز ہے جو معراج کے مراتب تک پہنچا دیتی ہے۔ یہ ہے تو سب کچھ ہے‘‘۔ (یعنی نماز ہے تو سب کچھ ہے)۔

(ملفوظات جلد 5 صفحہ 432)

حضور انور مزید فرماتے ہیں:

’’جیسا کہ مَیں نے شروع میں کہا تھا کہ جدید ترقیات نے بعض برائیوں کو بھی پھیلانے میں بڑا کردار ادا کیا ہے۔ اور بغیر سوچے سمجھے بعض لوگ خود بھی اور اپنے بچوں کو بھی ان باتوں میں ڈال دیتے ہیں جن کا علم ہی نہیں ہوتا کہ اس کی حقیقت کیا ہے؟ اس کی روح کیا ہے؟ بس دیکھا دیکھی معاشرے کے پیچھے چل کر وہ کام کرنے شروع کر دیتے ہیں۔ اگر اُس دعا کی طرف توجہ ہو جو آنحضرت ﷺ نے ہمیں سکھائی ہے کہ بعض باتیں جو لاعلمی میں ہو جاتی ہیں ان کے کرنے پر بھی اے اللہ! ہمیں تیری بخشش چاہئے تو جب دعا نیک نیتی سے ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی بخشش ہوتی ہے تو پھر آئندہ انسان بعض برائیوں سے محفوظ بھی ہو جاتا ہے۔

بہر حال اس برائی کا جو آج کل مغرب میں ان دنوں میں بڑی دھوم دھام سے منائی جاتی ہے...... یہ halloween کی ایک رسم ہے۔ جیسا کہ مَیں نے کہا تھا کہ احمدی بھی بغیر سوچے سمجھے اپنے بچوں کو اس میں شامل

DAILY LONDON
ALFAZL
ONLINE

www.alfazlonline.org
@alfazlonline
@alfazlonline
ONLINE EDITION Download on the App Store ANDROID APP ON Google play

اپنے مضامین، آرٹیکلز، نظمیں اور آراء
درج ذیل ذرائع میں سے کسی ایک پر بھجوائیں
+44 79 5161 4020
info@alfazlonline.org

ہونے کی اجازت دے دیتے ہیں، حالانکہ اگر اس کو گہرائی میں جاکر دیکھیں تو یہ عیسائیت میں آئی ہوئی ایک ایسی بدعت ہے جو شرک کے قریب کر دیتی ہے۔ چڑیلیں اور جنّ اور شیطانی عمل، ان کو تو بائبل نے بھی روکا ہوا ہے۔ لیکن عیسائیت میں یہ راہ پاگئی ہیں کیونکہ عمل نہیں رہا۔ عموماً اس کو fun سمجھا جاتا ہے کہ بس جی بچوں کا شوق ہے پورا کر لیا۔ تو ہمیشہ یاد رکھنا چاہئے کہ ہر وہ کام چاہے وہ fun ہی سمجھا جائے جس کی بنیاد شرک یا کسی بھی قسم کے نقصان کی صورت میں ہو اس سے احمدیوں کو بچنا چاہئے۔ مجھے اس بات پر توجہ پیدا ہوئی جب ہماری ریسرچ ٹیم کی ایک انچارج نے بتایا کہ ان کی بیٹی نے ان سے کہا کہ halloween پر وہ اور تو کچھ نہیں کرے گی لیکن اتنی اجازت دے دیں کہ وہ لباس وغیرہ پہن کر، خاص costume پہن کے ذرا پھر لے۔ چھوٹی بچی ہے۔ انہوں نے اسے منع کر دیا۔ اور پھر جب ریسرچ کی اور اس کے بارہ میں مزید تحقیق کی تو بعض عجیب قسم کے حقائق سامنے آئے۔ تو مَیں نے انہیں کہا کہ مجھے بھی کچھ (حوالے) دے دیں۔ چنانچہ جو مَیں نے دیکھے اس کا خلاصہ مَیں بیان کرتا ہوں۔ کیونکہ اکثر بچے بچیاں مجھے سوال کرتے رہتے ہیں۔ خطوط میں پوچھتے رہتے ہیں کہ halloween میں شامل ہونے کا کیا نقصان ہے؟ ہمارے ماں باپ ہمیں شامل نہیں ہونے دیتے۔ جبکہ بعض دوسرے احمدی خاندانوں کے بچے اپنے والدین کی اجازت سے اس میں شامل ہو رہے ہوتے ہیں۔ تو بہرحال ان کو جو کچھ میرے علم میں تھا اس کے مطابق مَیں جواب تو یہی دیتا رہتا تھا کہ یہ ایک غلط اور مکروہ قسم کا کام ہے اور مَیں انہیں روک دیتا تھا۔ لیکن اب جو اس کی تاریخ سامنے آئی ہے تو ضروری ہے کہ احمدی بچے اس سے بچیں۔

عیسائیت میں یا کہہ لیں مغرب میں، یہ رسم یا یہ بدعت ایک آئرش اِزم کی وجہ سے آئی ہے۔ پرانے زمانے کے جو pagan تھے ان میں پرانی بد مذہبی کے زمانے کی رائج ہے۔ اس کی بنیاد شیطانی اور چڑیلوں کے نظریات پر ہے۔ اور مذہب اور گھروں کے تقدس کو یہ سارا نظریہ جو ہے یہ پامال کرتا ہے۔ چاہے جتنا بھی کہیں کہ یہ Fun ہے لیکن بنیاد اس کی غلط ہے۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ اس میں شرک بھی شامل ہے۔ کیونکہ اس کا بنیادی نظریہ یہ تھا کہ زندوں اور مردوں کے درمیان جو حدود ہیں وہ 31۔ اکتوبر کو ختم ہو جاتی ہیں۔ اور مردے زندوں کے لئے اس دن باہر نکل کے خطرناک ہو جاتے ہیں۔ اور زندوں کے لئے مسائل کھڑے کر دیتے ہیں۔ بیماریوں میں مبتلا کر دیتے ہیں اور اسی طرح کی اوٹ پٹانگ باتیں مشہور ہیں۔ اور پھر اس سے بچنے کے لئے جو ان کے نام نہاد جادوگر ہوتے ہیں ان جادوگروں کو بلایا جاتا ہے جو جانوروں اور فصلوں کی ان سے لے کر ایک خاص طریقے سے قربانی کرتے ہیں۔ bonfire بھی اسی نظریہ میں شامل ہے تا کہ ان مُردہ روحوں کو ان حرکتوں سے باز رکھا جائے۔ ان مُردوں کو خوفزدہ کر کے یا بعض قربانیاں دے کر ان کو خوش کر کے باز رکھا جائے۔ اور پھر یہ ہے کہ پھر اگر ڈرانا ہے تو اس کے لئے costume اور خاص قسم کے لباس وغیرہ بنائے گئے ہیں، ماسک وغیرہ پہنے جاتے ہیں۔ بہرحال بعد میں جیسا کہ مَیں نے کہا، جب عیسائیت پھیلی تو انہوں نے بھی اس رسم کو اپنا لیا۔ اور یہ بھی ان کے تہوار کے طور پر اس میں شامل کر لی گئی۔ کیتھولکس خاص طور پر (یہ رسم) زیادہ کرتے ہیں۔

اب یہ رسم عیسائیت کی وجہ سے اور پھر میڈیا کی وجہ سے، آپس کے تعلقات کی وجہ سے تقریباً تمام دنیا میں خاص طور پر مغرب میں، امریکہ میں، کینیڈا میں، یہاں UK میں، جاپان میں، نیوزی لینڈ میں، آسٹریلیا وغیرہ میں، یورپ کے بعض ملکوں میں پھیل چکی ہے۔ اور جیسا کہ مَیں نے کہا یہ چھپی ہوئی برائی ہے۔ جسے مغرب میں رہنے والے مسلمان بھی اختیار کر رہے ہیں۔ بچے مختلف لباس پہن کر گھر گھر جاتے ہیں۔ گھر والوں سے کچھ وصول کیا جاتا ہے تا کہ روحوں کو سکون پہنچایا جائے۔ گھر والے اگر ان مختلف قسم کے لباس پہنے ہوئے بچوں کو کچھ دے دیں تو مطلب یہ ہے کہ اب مردے اس گھر کو کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ یہ ایک شرک ہے۔ بے شک آپ یہی کہیں کہ fun ہے، ایک تفریح ہے لیکن جو پیچھے نظریات ہیں وہ مشرکانہ ہیں۔ اور پھر یہ کہ ویسے بھی یہ ایک احمدی بچے کے وقار کے خلاف بات ہے کہ عجیب و غریب قسم کا حلیہ بنایا جائے۔ اور پھر گھروں میں فقیروں کی طرح مانگتے پھریں۔ چاہے وہ یہی کہیں کہ ہم مانگنے جا رہے تھے یا چاکلیٹ لینے جا رہے تھے لیکن یہ مانگنا بھی غلط ہے۔ احمدی کا ایک وقار ہونا چاہئے اور اس وقار کو ہمیں بچپن سے ہی ذہنوں میں قائم کرنا چاہئے۔ اور پھر یہ چیزیں جو ہیں مذہب سے بھی دور لے جاتی ہیں۔ بہرحال جب یہ منایا جاتا ہے تو پیغام اس میں یہ ہے کہ چڑیلوں کا وجود، بدروحوں کا وجود، شیطان کی پوجا، مافوق الفطرت چیزوں پر عارضی طور پر جو یقین ہے وہ fun کے لئے کر لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ یہ انتہائی غلط نظریہ ہے۔ پس یہ سب شیطانی چیزیں ہیں۔ اس سے ہمارے بچوں کو نہ صرف پرہیز کرنا چاہئے بلکہ سختی سے بچنا چاہئے۔ ماضی قریب تک دیہاتوں کے رہنے والے جو لوگ تھے وہ بچوں کو جو اس طرح ان کے دروازے پر مانگنے جایا کرتے تھے اس خیال سے بھی کچھ دے دیتے تھے کہ مُردہ روحیں ہمیں نقصان نہ پہنچائیں۔

بہرحال چونکہ بچے اور ان کے بعض بڑے بھی بچوں کی طرف سے پوچھتے رہتے ہیں۔ اس لئے مَیں بتا رہا ہوں کہ یہ ایک بد رسم ہے اور ایسی رسم ہے جو شرک کی طرف لے جانے والی ہے۔ پھر اس کی وجہ سے بچوں میں fun کے نام پر، تفریح کے نام پر غلط حرکتیں کرنے کی جرأت پیدا ہوتی ہے۔ ماں باپ ہمسایوں سے بداخلاقی سے پیش آتے ہیں۔ ماں باپ سے بھی اور ہمسایوں سے بھی اور اپنے ماحول سے بھی، اپنے بڑوں سے بھی بداخلاقی سے پیش آنے کا رجحان بھی اس وجہ سے بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ یہ بھی ایک سروے ہے۔ حتی کہ دوسرے جرائم بھی اس لئے بڑھ رہے ہیں۔ اس قسم کی حرکتوں سے ان میں جرأت پیدا ہوتی جا رہی ہے۔ مغرب میں ہر برائی کو بچوں کے حقوق اور fun کے نام پر تحفظات مل جاتے ہیں، اجازت مل جاتی ہے اور مل رہی ہے لیکن اب خود ہی یہ لوگ اس کے خلاف آوازیں بھی اٹھانے لگ گئے ہیں۔ کیونکہ اس سے اخلاق برباد ہو رہے ہیں۔

پھر halloween کے خلاف کہنے والے یہ بھی کہتے ہیں کہ اس سے بچوں میں تفریح کے نام پر دوسروں کو ڈرانے اور خوفزدہ کرنے کی برائی جیسا کہ مَیں نے بتایا کہ بڑھ رہی ہے اور جرائم بھی اس وجہ سے بڑھ رہے ہیں۔ ایک تو فلموں نے غلط تربیت کی ہے۔ پھر اگر عملی طور پر ایسی حرکتیں کرنے لگ جائیں اور ان کو تفریح کے نام پر بڑے encourage کرنا شروع کر دیں تو پورے معاشرے میں پھر بگاڑ ہی پیدا ہو گا اور کیا ہو سکتا ہے؟ اور پھر ہمارے لئے سب سے بڑی بات جیسا کہ مَیں نے کہا مُردوں کو خدا کے مقابل پر کھڑا کر کے ان کے کسی بھی غلط عمل سے محفوظ کرنے کا شیطانی طریق اختیار کیا گیا ہے۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ کے مقابل پر کھڑا کر کے ایک شرک قائم کیا جا رہا ہے یا بچوں کو تحفے تحائف دے کے ان کی روحوں کو خوش کیا جا رہا ہے۔ یا جادوگروں کے ذریعہ سے جادو کر کے ڈرایا جا رہا ہے۔ بہرحال یہ نہایت لغو اور بیہودہ تصور ہے۔

☆...☆...☆

اعلانِ ولادت

تبسم بشارت اور بشارت احمد (Windsor Canada) بڑی خوشی سے یہ اعلان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے ہمارے بڑے بیٹے عیون احمد بشارت اور عائشہ احمد کو 20 مارچ 2020ء کو دوسرا بیٹا ایاد احمد عیون عطا فرمایا ہے جو کہ محترمہ مبشرہ فیاض صاحبہ اور محترم فیاض احمد لندن کا نواسہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ہمارے دوسرے بیٹے صنوان احمد بشارت اور عدیلہ کنول ملک کو پہلا بیٹا عطا فرمایا ہے۔ بیٹے کا نام محسون احمد ہے۔ نومولود محترم محمود احمد ملک ٹورونٹو کینیڈا اور محترمہ شیلا ملک کا نواسہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے واقف نو ہے۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں بچوں کو صحت مند، نیک اور جماعت احمدیہ کا خادم بنائے اور ان کو اپنے والدین کی آنکھوں کی ٹھنڈک بنائے۔ آمین۔

08 جولائی 2020ء		طلوع فجر	غروب آفتاب
مکہ مکرمہ		04:18	19:07
مدینہ منورہ	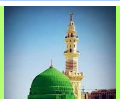	04:09	19:14
قادیان		03:51	19:37
ربوہ		03:32	19:17
اسلام آباد ٹلفورڈ		03:28	21:18